بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اشارات

خیالات کی پراگندگی کا ایک دور وہ ہوتا ہے جب انسان کے سامنے کوئی نصب العین واضح نہیں ہوتا اور وہ بچوں کی طرح ان بہت سے مختلف مقاصد پر چھلانگ مارتا رہتا ہے جو اندھیرے میں اس کو جگنوؤں کی طرح چمکتے نظر آتے ہیں۔ ہر مقصد کی چمک تھوڑی دیر کے لیے اس کی توجہ اپنی طرف کھینچ لیتی ہے اور قبل اس کے کہ وہ اس کو حاصل کرنے کے لیے ہاتھ بڑھائے ایک دوسرا مقصد چمک اٹھتا ہے حتیٰ کہ اس کی فکر اس فیصلہ میں حیران ہو کر رہ جاتی ہے کہ ان بے شمار مطلوبوں میں سے کونسا مطلوب ایسا ہے جس کے پیچھے وہ اپنی سعی وجہد کی ساری قوتوں کے ساتھ لگ جائے۔ پھر جب ایک نصب العین واضح طور پر متعین ہو جاتا ہے اور نگاہیں اچھی طرح اس پر جم جاتی ہیں تو اس نوعیت کی پراگندہ خیالی ختم ہو جاتی ہے اور ایک دوسری نوعیت کی پراگندہ خیالی کا دور شروع ہوتا ہے جو صحیح اقدامِ عمل کے لیے پہلے دور سے کچھ کم رہزن ثابت نہیں ہوتا۔ اس دَور میں آدمی کے خیالات کو پریشان کرنے والا سوال یہ نہیں ہوتا کہ وہ کس چیز کو حاصل کرنے کی کوشش کرے بلکہ یہ ہوتا ہے کہ وہ جس چیز کو حاصل کرنا چاہتا ہے اُسے کس طرح حاصل کرے۔ کچھ راہ و رسمِ منزل سے ناآشنائی، کچھ مقصود تک جلدی پہنچ جانے کی بےتابی، کچھ ابتدائی مراحل کی بےمزہ خشکی، کچھ نشاناتِ راہ کا دھندلاپن، کچھ منزل کی دوری اور راستہ کی مزاحمتوں کا احساس، غرض بہت سی چیزیں سوچنے والے دماغوں اور اقدام کی خواہش رکھنے والے دلوں کو پریشان کرنے لگتی ہیں اور ان کے لیے یہ فیصلہ کرنا مشکل ہو جاتا ہے کہ مقصد کی طرف اقدام کا صحیح طریقہ کیا ہے۔ بعض لوگ تدریجی پیش قدمی کو چھوڑ کر جست لگانے پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔ بعض دور دراز کی خیالی تجویزوں میں اُلجھنے لگتے ہیں۔ بعض ابتدائی مراحل کے بجائے آخری مراحل کی فکر میں گھلنا شروع کر دیتے ہیں۔ بعض خام کارانہ تجربوں میں وقت ضائع کرتے ہیں۔ بعض عملی مسائل کے بجائے علمی و نظری بحثوں میں کھوئے جاتے ہیں۔ اور بعض سوچتے سوچتے پریشان ہو کر خاموش بیٹھ جاتے ہیں۔ پہلے دور کی طرح یہ دور بھی ختم ہونے کے لیے کافی وقت لیتا ہے اور جب تک یہ بھی بخیر و خوبی ختم نہ ہو جائے عمل کی طرف پیش قدمی مشکل ہوتی ہے۔

عام مسلمانوں کے متعلق تو ابھی یہ کہنا قبل از وقت ہے کہ وہ پہلے دور سے نکل آئے ہیں اور دوسرے دور سے گذر رہے ہیں، البتہ اپنے ہم خیال گروہ کے باب میں میرا تجربہ و مشاہدہ یہ ہے کہ اس وقت ان کا حال یہی ہے۔ جہاں تک نصب العین کا تعلق ہے ان کے لیے رات کی تاریکی دور ہو چکی ہے، مقاصد کے جگنو چمکنے بند ہو گئے ہیں۔ ایک مقصد پوری روشنی میں ان کے سامنے آگیا ہے اور اس پر ان کی نظر اچھی طرح جم گئی ہے۔ وہ جان چکے ہیں کہ مسلمان ہونے کی حیثیت سے ان کے لیئے دینِ حق کی اقامت کے سوا اور کوئی مقصدِ زندگی نہیں ہے۔ اس معاملہ میں اگر کوئی شک و ریب اور تذبذب پہلے تھا بھی تو، اب بالکل دور ہو چکا ہے اور دل و دماغ اس نصب العین کی راہ میں اپنی پوری بازی لگا دینے کا فیصلہ کر چکے ہیں۔ یہ عزم و فیصلہ پہلے دور پر اختتام کی آخری مہر ہے۔ مگر اب تمام علامات سے ظاہر ہو رہا ہے کہ دوسرا دور اپنی ساری پراگندہ خیالیوں کے ساتھ ان پر طاری ہے۔ فکریں ہر طرف سے سمٹ کر اس سوال پر مرکوز ہو گئی ہیں کہ ادیانِ باطلہ کی گرفت جس نے پوری زندگی کو اپنے شکنجہ میں کس رکھا ہے کیسے ہٹائی جائے، عبدیت کو اللہ کے لیے خالص کر دینے میں جو مزاحمتیں حائل ہیں انھیں کیسے دور کیا جائے، اور دینِ حق کو زمین پر اور خود اپنی حیاتِ دنیا کے تمام شعبوں پر کس طرح قائم کیا جائے۔ یہ سوال ہر اس شخص کو پریشان کر رہا ہے جو اس نصب العین کو قبول کر چکا ہے اور اس کی تفصیلات ایک اچھی خاصی بھول بھلیاں بن گئی ہیں جن کی پیچ در پیچ گلیوں میں دماغ بڑی طرح بھٹک رہے ہیں۔ کچھ لوگ حیران ہیں کہ اتنا بڑا مقصد اتنی شدید مزاحمتوں کے علی الرغم آخر کیسے حاصل ہوگا؟ کچھ لوگ مزاحم طاقتوں میں سے کسی ایک طاقت سے جس کی اہمیت ان کی نگاہ میں دوسری مزاحمتوں کی بہ نسبت زیادہ ہے، فوراً ٹکرا جانا چاہتے ہیں اور اسی تصادم کے نقشے بنا رہے ہیں۔ کچھ لوگ بیچ کے تمام مراحل کو بیک جنبشِ خیال پھلانگ جاتے ہیں اور بالکل آخری مرحلے میں جو کچھ ہونا چاہیے اس کی تیاری ابھی سے کر ڈالنا چاہتے ہیں۔ کچھ لوگ ایسی ایسی عجیب تجویزوں سے اپنے اور دوسروں کے دماغ کو پریشان کر رہے ہیں جن میں سے کسی ایک کا بھی اگر تجربہ کر ڈالا جائے تو انشاء اللہ پھر کسی دوسرے تجربہ کا موقع ہی باقی نہ رہے۔ کچھ لوگ مرحلۂ اول سے لے کر آخری مرحلہ تک پورا پروگرام مفصل ٹائم ٹیبل کے ساتھ مانگتے ہیں تاکہ انھیں ٹھیک وہ تاریخ معلوم ہو جائے جب خلیفۂ راشد کا انتخاب ہوگا۔ کچھ لوگ مسائل کے عملاً پیش آنے سے پہلے ان کی علمی و نظری تفصیلات پر اس طرح گرما گرم بحثیں شروع کر دیتے ہیں گویا آج ہی انھیں اسلامی حکومت کے کسی محکمہ کی وزارت کا

چارج لیناہے یا نا سہی، خلافت کی کمیٹی کا اجلاس سر پر آگیا ہے، اور دستور کا مسئلہ اب طے ہی کرنا پڑے گا۔ کچھ لوگ کتابی دنیا میں مقیم ہیں اور چاہتے ہیں کہ جو نقشے انھوں نے صفحۂ قرطاس پر کہیں دیکھے ہیں وہی عالم آب و گل میں ہو بہو نظر آجائیں، وہی کتابی شخصیتیں گوشت پوست کی دنیا میں جلوہ گر ہوں، وہی ان کا طریق کار ہو اور وہی ان کے اثرات اور نتائج عمل ہوں جن کی تصویر سوانح نگار کا قلم کہیں کھینچ گیا ہے۔ کچھ اور لوگ ہیں جو بار بار کہتے اور سوچتے ہیں کہ "کچھ ہونا چاہیے" مگر خود نہیں جانتے کہ کیا ہونا چاہیے۔ یہ صورتِ حال ڈیڑھ سال سے مسلسل دیکھ رہا ہوں اور اب مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ ہمارے ہم خیال لوگوں پر دوسرے نمبر کی پراگندہ خیالی کا دورہ پوری قوت کے ساتھ پڑ چکا ہے۔

عملی قوتوں کے لیے ذہنی انتشار سے بڑا دشمن کوئی نہیں ہے۔ مگر اس کا صحیح علاج یہ نہیں ہے کہ لوگ سوچنا چھوڑ دیں اور بس کسی کے احکام کی تعمیل کرنے لگیں۔ اس طرح کا عمل انسانوں کا نہیں حیوانوں کا خاصہ ہے اور وہ شخص خود اپنے نصب العین کے ساتھ دشمنی کرتا ہے جو افراد کو عملِ بلا فکر اور اطاعتِ بلا فہم کی مشق کراتا ہے۔ انتشارِ ذہنی کے سبب سے عملی قوتوں پر جو فالج گرا ہوا اس کا اصلی علاج یہ ہے کہ بروقت صحیح فکری رہنمائی کی جائے تاکہ دماغ غلط راہوں پر سوچنے کے بجائے صحیح راہ پر سوچنے لگیں اور پوری طرح یکسو ہو کر اس طرز پر کام کرنے کا فیصلہ کریں جس کے صحیح ہونے کا انھیں اطمینان حاصل ہو جائے۔ اس علاج کی ضرورت اگرچہ بہت پہلے سے محسوس ہو رہی تھی لیکن مرض کی پوری علامات ظاہر ہونے اور شدت کی ایک خاص حد کو پہنچ جانے سے پہلے دوا کا استعمال اکثر غیر مفید ثابت ہوتا ہے۔ اس لیے ناگزیر تھا کہ صبر کے ساتھ اس صورتِ حال کو اس وقت تک دیکھا جاتا رہے جب تک کہ علاج کے لیے مناسب موقع نہ آجائے۔ اب میرا اندازہ ہے کہ وہ موقع آگیا ہے جس کا انتظار تھا، اس لیے ان صفحات میں اس موضوع پر اظہارِ خیال کا ایک سلسلہ شروع کر رہا ہوں۔ اگر اللہ تعالیٰ کی توفیق و ہدایت شاملِ حال رہی تو امید ہے کہ یہ سلسلہ آئندہ چند مہینوں تک برابر جاری رہے گا اور طریقِ عمل کے باب میں ویسا ہی اطمینان بخش ثابت ہوگا جیسا اس سے پہلے ایک اور سلسلۂ مضامین مقصد کے باب میں ثابت ہو چکا ہے۔

کسی مقصدِ عظیم کے لیے جدوجہد شروع کرنے سے پہلے ضروری ہے کہ وہ افراد تیار ہوں جو اس جدوجہد کے لیے صحیح قسم کے عامل بن سکیں۔ اس کے بعد دوسری ضرورت یہ ہے کہ ان افراد کے درمیان ایسا نظم قائم ہو جو ان کو ایک جسم کے اعضا کی طرح باہم پیوستہ کر دے اور جس میں ان کی انفرادی قوتیں ایک مقصد کی راہ میں اپنے اپنے حصہ کا کام خوبی کے ساتھ انجام دینے لگیں۔ تیسری ضرورت یہ ہے کہ جدوجہد جس میدان میں کی جانی ہے اس کا پورا جائزہ لے کر میدانِ جنگ کی طرح نقشہ بنایا جائے جس میں یہ بات معلوم و متعین ہو کہ ہمیں اپنے مقصد کی طرف جانے کے لیے کن کن پہلوؤں سے پیش قدمی کرنی ہے اور ہر پہلو میں کیا کام کس طرح انجام دینا ہے۔ یہ تینوں امور ہر جدوجہد کے لیے لازمی مقدمات کی حیثیت رکھتے ہیں جن کے متحقق ہونے سے پہلے کوئی عملی اقدام ممکن نہیں ہے۔ اس لیے میں آئندہ صحبتوں میں ان پر اسی ترتیب کے ساتھ گفتگو کروں گا۔ اگرچہ اس سے پہلے ان ساری چیزوں کی طرف مجمل اشارے کرتا رہا ہوں لیکن اب زیادہ تفصیل کے ساتھ بیان کروں گا کہ اولاً ہم کو اپنے مقصد کے لیے کن صفات اور کس سیرت کے افراد درکار ہیں اور ایسے افراد کی تیاری کا طریقہ کیا ہے، ثانیاً ہمارا مقصد اپنی تکمیل کے لیے کس قسم کا اجتماعی نظام چاہتا ہے اور جماعتی نظم کی صحت بحال رکھنے کے لیے جو ہدایات ہم کو دی گئی ہیں ان کو کس طرح عمل میں لایا جائے، ثالثاً اپنے نصب العین کے لیے ہماری جدوجہد کا نقشہ کیا ہے، ابتداءً کن کن پہلوؤں میں ہمیں پیش قدمی کرنی ہے، ہر پہلو میں کام کرنے کے لیے کن صفات کے آدمی موزوں ہو سکتے ہیں، اور ہر پہلو کے کام کا کیا طریقہ ہے۔

یہ بات پہلے ہی اچھی طرح ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ ہم اپنی جدوجہد کے جس مرحلے پر ہوں، اس میں ہم کو اپنی ساری گفتگو اسی مرحلہ تک یا زیادہ سے زیادہ بعد کے مرحلہ کے مبادی تک محدود رکھنی چاہیے۔ ہم یہ ضرور جانتے ہیں کہ ہمیں کہاں جانا ہے، اور یہ بھی جانتے ہیں کہ ہمارے لیے صحیح سمتِ سفر کیا ہے اور کسی حد تک قیاس و فکر کی مدد سے مجملاً یہ بھی جان سکتے ہیں کہ پہلے قدم سے لے کر آخری منزل تک کن کن مرحلوں سے ہمیں گزرنا ہو گا۔ لیکن کوئی بڑے سے بڑا صاحبِ بصیرت انسان بھی تفصیل کے ساتھ یہ نہیں جان سکتا کہ اس کی جدوجہد کس طرح ان بہت سے مراحل سے گزرے گی، ان میں کس قسم کے ذرائع اور کس قسم کے مواقع اس کے لیے پیدا ہوں گے اور ان سے فائدہ اٹھا کر اسے کیا کام کس طرح کرنا ہو گا۔ ان

امور کا صحیح علم صرف اللہ ہی کو ہے اور اسی کی مشیت پر ان کا انحصار ہے۔ اس لیے ان کے بارے میں زیادہ سوچنا محض ایک لاحاصل دماغ سوزی ہے۔ ہمارا کام صرف یہ ہے کہ صحیح مقصد کے لیے صحیح سمت سفر معلوم کریں اور پھر جہاں تک ممکن ہو زیادہ سے زیادہ بہتر تیاری کے ساتھ راہِ راست کے پہلے مرحلے میں قدم رکھ دیں۔ اگر اپنی حد وسع تک ہم نے پہلے مرحلہ کے مقتضیات کو سمجھنے اور انہیں پورا کرنے میں کوئی کوتاہی نہ کی تو یقیناً دوسرا مرحلہ آنے سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ ہم کو اتنی روشنی عطا فرما دے گا کہ ہم اس کے نشاناتِ راہ کو صاف دیکھنے لگیں گے اور اس میں کامیابی کے جو مواقع سامنے آئیں گے انہیں سمجھ کر ان سے صحیح فائدہ اٹھا سکیں گے۔ غیر مومن کو تو اس معاملہ میں مجبوراً دماغ سوزی کرنی پڑتی ہے اس لیے کہ اس کا کوئی مولیٰ نہیں جس پر وہ اعتماد کر سکے، مگر مومن کو توکل کے لیے ایک بہت بڑے ولی کارساز کا سہارا حاصل ہے جس کے اعتماد پر وہ بڑے سے بڑے مقصد کے لیے کم سے کم سامان کے ساتھ سخت سے سخت مایوس کن حالات میں بھی پیش قدمی کر سکتا ہے جبکہ بظاہر حساب لگانے سے کامیابی کا ایک فی لاکھ امکان بھی نظر نہ آتا ہو۔ اسے تو بس اپنے آج کے فرض سے سروکار ہوتا ہے اور وہ پورے اطمینان کے ساتھ وہ خدمت انجام دینے کے لیے آمادہ ہو جاتا ہے جس کا سروسامان آج اس کے مالک نے بہم پہنچا دیا ہے۔ رہا کل، تو اس کے لیے آج اسے فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ جتنی اور جیسی خدمت کے ذرائع اور مواقع کل اس کا مالک پیدا کر دے گا اس کو انجام دینے کے لیے وہ مستعد رہے گا۔ جس چیز کی باز پرس اس سے ہونی ہے وہ یہ نہیں ہے کہ تو نے ذرائع اور مواقع پیدا کیوں نہیں کیے، بلکہ صرف یہ ہے کہ جو ذرائع اور مواقع تجھے دیے گئے تھے ان سے تو نے کتنا کام لیا۔